برصغیر میں برطانوی سامراج اور فروغِ مسیحیت: ایک تحقیقی مطالعہ

British Imperialism in Subcontinent and the Illumination of Christianity: Research Based Study

شگفتہ نوید : ریسرچ اسکالر، پی ایچ ڈی علومِ اسلامیہ، گفٹ یونیورسٹی، گوجرانوالہ

Abstract

Christianity is the ancient religion of the inhabitants of Sub-Continent but it is very hard to determine when this religion entered the Indian Sub-Content. There are some historical sources which indicate the arrival of the Jesus and the Holy Marry in India but this is again a hard reality to prove. Some of the Christian historians have expressed their views about the arrival of the two close companions, Bartalmai and Thomas, of the Christ in India. But all the Christian historians do not verify these historical tales. The historical fact cannot be ignored that the Christianity reached to its climax during the European dominance in India. The Portages, the Dutch, the French and the British traders reached India. These European nations fought a long war of dominance in which the British became glorious. The European nations, especially the British played a key role in the promotion and spread of the Christianity in India. In 1857, the British defeated the long rule of the Mughals in India and became the all-powerful rulers over here. The missionary institutions were established, the free Christian education was provided and the priests were given total freedom for their religious activities. They were trained for polemical discourses. The newspapers and religious magazines were provided door to door. The British Government took over the orphan houses to convert the orphans and the parentless children into Christians. They tried their level best to spread Christianity all over India through hook or crook. This research article has been presented to highlight and assess the role of the British imperialism in promoting and spreading Christianity in the Sub-Continent of India.

Keywords: British Imperialism, Christianity, European Nations, Mughal Rule, Polemical Discourses, Sub-Continent,

مذہبی اعتبار سے برِّصغیر کو اقوامِ عالم میں نہایت اہم حیثیت حاصل ہے۔ ہندو مت، بُدھ مت، جین مت اور سکھ مت ایسے غیر سامی مذاہب کا آغاز اسی خطہّ سے ہُوا جبکہ سامی ادیان یعنی یہودیت، مسیحیت اور اسلام بھی یہاں کی مذہبی وسیاسی معاشرت کی بڑی حقیقتیں ہیں۔ مسیحیت یہاں کے لوگوں کا قدیم مذہب ہے مگر حتمی طور پر یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ مذہب کب برِّصغیر میں داخل ہُوا۔[1] بعض مسیحی مؤرخین کا دعویٰ ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ خود ہندوستان تشریف لائے تھے، وہ صلیب پر فوت نہیں ہوئے، انہوں نے یروشلم سے نکل کر طویل سفر کئے۔ ترکی، ایران اور افغانستان سے ہوتے ہوئے ہندوستان پہنچ گئے۔ کشمیر میں رہائش رکھی اور یہاں پر ہی شادی کرلی، ۱۲۰ سال کی عمر میں اُن کا انتقال ہُوا اور آپ ؑ کو سرینگر میں "روضہ بل" کے مقام پر دفن کیا گیا۔[2] مسیحی تاریخ کی بعض روایات کے مطابق آپ نے ہندوستان میں قیام نہیں کیا تھا بلکہ یہاں سے گزر کر جاپان چلے گئے تھے۔ جاپان کے علاقے ''Amori'' کے ایک گاؤں ''Herai'' میں فوت ہوئے اور وہاں ہی آپ ؑ کو دفن کیا گیا۔[3]

برِّصغیر میں مسیحیت کا آغاز کب ہُوا اور کتنے لوگ مسیحی افکار سے متاثر ہوئے، اسی طرح کے دیگر سوالات کے معتبر و مُستند جوابات فراہم کرنا نہایت مشکل ہی نہیں، تاریخِ مذاہب سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لئے ایک لایعنی امر بھی ہے، کیونکہ اگر یہاں بہت تھوڑی تعداد میں مسیحیت موجود بھی تھی تو اُسے سیاسی، سماجی اور مذہبی اعتبار سے کسی شمار میں نہیں لیا گیا۔ برصغیر میں مسیحیت کی آمد کا معتبر اور قابلِ ذکر واقعہ پرتگال کے واسکوڈے گاما کا ہے،[4] وہ ۲۰ مئی ۱۴۹۸ء کو چار بحری جہازوں کے ساتھ عرب جہاز راں احمد بن ماجد نجدی کی رہنمائی میں ہندوستان آیا، وہ مالا بار ساحل کی بندرگاہ کالی کٹ پر لنگر انداز ہُوا تھا۔[5] تاریخِ برِصغیر کا یہ وہ معلوم و معروف لمحہ تھا جب مسیحیت کی یہاں آمد ہوئی کیونکہ پُرتگالیوں کا مذہب مسیحیت تھا۔ انہوں نے یہاں تجارت کی اور اپنے مذہب کی تبلیغ کے لئے بھی گرم جوشی دکھائی۔[6] اُنہوں نے گوا، کالی کٹ، بمبئی اور دیگر علاقوں میں اپنی تبشیری سرگرمیوں کا آغاز کر دیا۔ یتیم خانے، تعلیمی ادارے اور گرجے تعمیر ہونے لگے۔[7] یہ تمام انتظامات گوا میں نسبتاً زیادہ مستحکم بنیادوں پر کئے گئے کیونکہ یہ اُن کی ابتدائی کالونی تھی۔[8] ۱۵۴۲ء میں معروف مبشر سینٹ فرانسس زیویئر نے گوا کا رُخ کیا تو مسیحیت پھیلانے کا عمل تیز ہو گیا۔[9] اب جبری طور پر مسیحی بنانے کی مہم کا آغاز ہُوا، جو شخص مسیحیت قبول کرلیتا اُس کی خوب پذیرائی کی جاتی، اس کے برعکس غیر مسیحی

لوگوں سے اُن کی مذہبی آزادی چھین لی گئی۔[10] پُرتگیزیوں نے تمام اخلاقی حدود کو پامال کرکے رکھ دیا، وہ دھوکہ باز، ڈاکو، رشوت خور اور ظالم تھے۔[11] گوا میں محکمہ احتسابِ عقائد (Inquisition) قائم کرکے ظالمانہ اقدامات کئے گئے، اصلاحِ عقائد کے نام پر لوگوں کو قید کیا گیا، بعض کو زندہ جلادیا گیا۔[12] پرتگالیوں کا تعلق مسیحیت کے کیتھولک فرقے سے تھا، وہ دیگر مسیحی فرقوں کے حاملین کے عقائد کی اصلاح کی آڑ میں اُن پر بھی طرح طرح کے مظالم ڈھاتے، اُنہیں بدعتی اور ملحد قرار دیا جاتا۔[13] پُرتگال سے آئے مسیحی مبشرین نے مغل بادشاہ اکبر سے بھی ملاقاتیں کیں، انہوں نے تحفہ میں ایک خوبصورت بائیبل پیش کی، یہ بائیبل چار زبانوں پر مشتمل تھی یعنی عبرانی، کلدانی، لاطینی اور یونانی۔[14] اکبر نے انہیں مسیحیت کی تبلیغ کرنے کی اجازت دے دی۔[15] نوبت یہاں تک آگئی کہ اکبر کے دربار میں مسلم مسیحی مناظروں کا آغاز ہو گیا۔ مسیحی پادری ان مواقع پر غیر معمولی بے خوفی کا اظہار کرتے۔[16] پُرتگیزیوں کو بے لگام مذہبی آزادی دے دینے کے باوجود اکبر سمجھتا تھا کہ وہ مغل سلطنت کے اُمور میں مداخلت کرتے ہیں، اس نرمی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس کے جہازوں کو مکہ جانے کے لئے پرتگیزیوں سے پروانۂ راہداری لینا پڑتا تھا۔ پُرتگالی مبشرین نے اکبر کی وفات کے بعد بھی مغل دربار سے اپنے روابط کو قائم رکھا۔ جہانگیر کے دور میں برطانیہ سے آئے ہوئے پروٹسٹنٹ فرقہ کے پادری بھی ہندوستان آنا شروع ہوئے۔ اب پُرتگالی کیتھولک پادریوں اور برطانوی پروٹسٹنٹ پادریوں کے درمیان کشمکش کا آغاز ہو گیا۔

فروغِ مسیحیت میں برطانوی سامراج کا کردار:

برِّصغیر میں مسیحیت کو متعارف کرانے میں حکومتی سرپرستی کا دخل ہمیشہ رہا ہے، اگر حضرت مسیحؑ کے حواری "توما" کی ہندوستان آمد کو درست تسلیم بھی کرلیا جائے تو اُس کی تبلیغی کوششوں کے پسِ منظر میں اقتدار واختیار کی طاقت یعنی ٹیکسلا کے راجہ گونڈوفاس کا کردار نمایاں انداز میں نظر آتا ہے۔ یاد رہے کہ راجہ نے توما کی ترغیب پر مسیحیت کو قبول کرلیا، یوں توما جو کہ زر خرید غلام کی حیثیت سے سرزمینِ ہند میں داخل ہوا تھا اب شاہی سرپرستی میں مسیحیت کا پرچار کرنے لگا۔[17] اگر برصغیر میں مسیحیت کی ابتداء کا حوالہ پُرتگیزیوں کی آمد کو قرار دیا جائے تو پھر بھی گوا میں قائم ہونے والی پرتگیزی کالونی کا کردار سامنے آتا ہے۔ گوا میں قائم پُرتگیزیوں کی نوآبادیاتی حکومت نے طاقت کے زور پر مسیحیت کے جھنڈے گاڑنے کی کوشش کی، جب کوئی مقامی شخص مسیحیت کو قبول کرتا تو حکومت اور مسیحی پادری اس کی عزت افزائی کرتے، مقامی آبادی کو باور کرایا جاتا کہ ترقی واحترام کے حصول کا واحد راستہ قبولِ مسیحیت ہے۔ حکومتی مذہب کی تائید کرنے پر انعام واکرام ملتا جبکہ مخالفت پر جبر وتشدد کی راہ اختیار کی جاتی، اصلاح اور احتساب کے نام پر عقائد تبدیل کرانے کی باقاعدہ مہم چلائی گئی۔ ان تمام اقدامات کے لئے گوا کی مسیحی حکومت نے بے پناہ دولت صرف کی۔ حکومتی سرپرستی میں مقدمات درج کرائے گئے، قید خانوں کو بے گناہ انسانوں سے بھرا گیا اور بہت سے لوگوں کو زندہ جلادیا گیا۔[18]

پُرتگیزیوں اور بعد ازاں انگریزوں کے مغل حکمرانوں سے روابط کا مقصد بھی مسیحی مفادات کا حکومتی چھتری تلے تحفظ تھا، ان روابط کے قیام اور استحکام کے لئے یورپی مسیحیوں نے ہر قسم کی اخلاقی یا غیر اخلاقی کوشش کو اپنے لئے جائز سمجھا۔[19] انگریز نے اقتدار پر قبضہ کے بعد مسیحی منادوں کو بہت زیادہ سہولیات فراہم کیں۔[20] برطانوی وزیر اعظم لارڈ پامرسٹن (Lord Vicount Palmerstone) نے اراکینِ پارلیمان کو برملا کہا کہ برصغیر میں مسیحیت کا فروغ بہر صورت ہمارے مفاد میں ہے۔[21] اسی عزم کا اظہار ہندوستان کی انگریز حکومت کے عملی اقدامات میں نظر آتا تھا، مسیحی مشنریوں کو مالی معاونت فراہم کی گئی، مسیحی کتب کی تقسیم واشاعت کے لئے بھاری رقوم دی گئیں، سرکاری افسران اپنے ماتحتوں کو قبولِ مسیحیت کی ترغیب دیتے۔[22] الغرض مسیحیت کے فروغ کی نیت یورپ سے آنے والے مسیحیوں نے کر رکھی تھی، چاہے وہ تجارت کی غرض ظاہر کرکے آیا یا سیاسی غلبہ کے لئے جدوجہد کرتا رہا، اس کا تعلق کیتھولک فرقے سے تھا یا پروٹسٹنٹ سے، وہ پُرتگال سے تھا یا ہالینڈ سے، وہ برطانیہ کا باشندہ تھا یا فرانس کا رہنے والا۔ بلا امتیاز فرقہ وعلاقہ تمام یورپی اقوام نے مسیحیت کی تبلیغ واشاعت کے لئے برِّصغیر میں ہر ممکن کوشش کی۔

برِّصغیر میں یورپی اقوام خصوصاً برطانوی سامراج کے ذریعے مسیحیت کے فروغ اور اس کی حکمتِ عملی کو درست پسِ منظر میں سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ برِّصغیر کی تاریخی، سیاسی، معاشی اور جغرافیائی اہمیت کو نظر میں رکھا جائے۔ یہ خطہ اپنی وُسعت، زرخیزی، حُسن وخوبصورتی اور محلِ وقوع کی وجہ سے کئی صدیوں سے اقوامِ عالم کے لئے توجہ کا مرکز ہے۔ ڈاکٹر گستاؤلی بان کے اس بیان کو اسی مخصوص پسِ منظر میں سمجھنے کی ضرورت ہے: "اس ملک کی بے نظیر زرخیزی کی بدولت بہت سے موانع کے باوجود اقوامِ عالم نے کئی ہزار سال کے اندر اس پر بیس دفعہ دھاوا کیا۔"[23]

سکندر اعظم، محمد بن قاسم، سلطان محمود غزنوی، شہاب الدین محمد غوری،، ظہیر الدین بابر اور دیگر فاتحین کی یہاں آمد اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ یہ خطہ بہت سی وجوہات کی بناء پر بیرونی دُنیا کے لئے باعثِ کشش ہے۔اسی ضمن میں مغلیہ سلطنت کے بانی ظہیر الدین بابر کا مبنی بر حقیقت بیان ملاحظہ ہو: "ہندوستان کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وسیع ملک ہے، اس میں سونا چاندی بہت ہے۔"[24] مختلف مذاہب کی عبادت گاہوں کے خوب صورت اور عالی شان نقش ونگار، عظیم محلات کی نقرئی چھتیں اور قیمتی پتھروں سے سجی ہوئی دیواریں اس خطہ کے لوگوں کے حُسن ذوق اور اقتصادی استحکام کی وضاحت کرتی ہیں۔ مغلیہ عہد میں فنِ تعمیر کو ترقی کی معراج پر پہنچانے میں شہاب الدین محمد شاہ جہاں کا اہم کردار ہے۔اُس نے ایک منفرد و عالی شان دیوانِ خاص تعمیر کرایا، اس کی دیواروں پر سعد اللہ خاں کا یہ شعر کندہ کیا گیا:

اگر فردوس بر روئے زمیں است   ہمیں است و ہمیں است وہمیں است[25]

یہ شعر برِّ صغیر کی عالمی اہمیت، حُسن وجمال، دولت وثروت، علم وہنر، جاہ وعظمت اور ذوق ورجحان کا عکاس ہے۔ علمی وفنی میدان میں بھی یہ خطہ اپنی مثال آپ ہے، مسلمانوں کے شاندار ماضی کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ عباسی خلفاء نے بغداد میں "بیت الحکمت" کے نام سے ایک عظیم دار الترجمہ کی بُنیاد رکھی، اس عالمی ادارے میں دُنیا بھر سے مختلف مذاہب واقوام سے وابستہ اہلِ علم کو جمع کیا گیا، ان سے مفید کتب کے عربی اور دیگر زبانوں میں تراجم کرائے گئے، ان مترجمین میں ھندوستان سے آئے ہوئے مختلف مذاہب کے حامل علماء بھی شامل تھے۔ جن ہندوستانی کُتب کے تراجم کرائے گئے اُن میں سدھانت ، سشرت، چرک، کلیلہ ودمنہ اور بوذاسف وبلوہر شامل ہیں ۔[26] ان علمی کمالات کا ہی اثر تھا کہ جاحظ (م ۲۵۵ھ)، مسعودی (م ۳۴۶ھ)، البیرونی (م ۴۴۰ھ)، ابنِ بطوطہ (م ۱۳۷۷ء) اور ڈاکٹر گستاؤلی بان ایسے مؤرخین نے اس عظیم خطّہ کی علمی، سیاسی اور سماجی تاریخ پر نہایت سنجیدگی سے تبصرے کئے۔ مذہبی اعتبار سے بھی یہ خطّہ منفرد وممتاز ہے، یہ ہندومت، بدھ مت، جین مت اور سکھ مت کی جنم بھومی ہے، علاوہ ازیں یہودیت، زرتشت، بہائیت، پارسی مذہب، مسیحیت اور اسلام یہاں کی مذہبی حیثیت کے اہم حوالہ جات ہیں۔ برصغیر کی ہمہ جہت اہمیت کا اندازہ بعض احادیث نبویہ ﷺ خصوصاً غزوہ ہند سے متعلق روایات کے مطالعہ سے بھی بخوبی ہو جاتا ہے ۔ برصغیر کے ایک قبیلے کے لوگ حضور اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"من هؤلاء القوم الذين كانهم رجال الهند"[27] "یہ کون لوگ ہیں جو ہندوستان کے مرد معلوم ہوتے ہیں۔"

ہندوستان کے ایک بادشاہ نے حضور ﷺ کو ایک ہدیہ بھیجا۔ حضرت ابو سعید الخدری سے روایت ہے: " أهدى ملك الهند إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم جرة فيها زنجبيل فأطعم أصحابه قطعة قطعة وأطعمني منها قطعة "[28]

"ہندوستان کے ایک بادشاہ نے رسول اللہ ﷺ کی طرف ایک برتن تحفہ میں ارسال کیا، اس میں ادرک تھی، حضور ﷺ نے اس کو اپنے صحابہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھلایا اور مجھے بھی اس میں سے ایک ٹکڑا عنائت فرمایا۔" غالب امکان اس بات کا ہے کہ یہ وہی بادشاہ ہے جس کا تذکرہ امام حاکم نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ ممتاز محقق اور سیرت نگار ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے اسی بادشاہ کے بارے میں لکھا ہے: "اس نے ہادئ کون ومکان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا اور پھر آپ ﷺ کے حکم پر واپس ہندوستان روانہ ہو گیا۔ راستے میں یمن کی بندرگاہ ظفار میں اس کا انتقال ہوا۔ یہاں آج بھی اس "ہندوستانی بادشاہ" کے مزار پر لوگ فاتحہ کے لیے آتے ہیں۔ انڈیا آفس لندن میں ایک پرانے مسودے (نمبر عربی 2807 صفحہ 152 تا 173) میں اس کی تفصیل درج ہے۔ زین الدین المعبری کی تصنیف "تحفۃ المجاہدین فی بعد اخبار البرتگالین" میں بھی اس کا تذکرہ ہے۔"[29] ہندوستان کے بارے میں حضرت علی کا یہ بیان بھی سامنے آتا ہے: "أطيب ريح في الأرض الهند "[30] "زمین میں سب سے پاکیزہ ہوا ہندوستان کی ہے"

ان روایات سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اہلِ عرب ہندوستان کے لوگوں سے زمانہ قدیم سے ہی واقف تھے، علاوہ ازیں یہ بات سعادت اور خوش نصیبی کی ہے کہ اہلِ ہند سے حضور سرورِ کونین ﷺ کا تعارف تھا۔

اس خطّہ کی جغرافیائی اہمیت بھی مسلمہ ہے۔ ایران، چین اور روس ایسی عظیم ریاستیں اس کی ہمسائیگی میں ہیں۔ سخت جان اور بہادر قوم کی سرزمین "افغانستان" اس خطّے سے ملحق ہے۔ یہاں میدان بھی ہیں اور پہاڑ بھی، یہاں کی زمین زرخیز بھی ہے اور معدنی دولت سے مالامال بھی، طویل

وعریض صحراء بھی ہیں تو سرسبز وشاداب اور دل نشین وادیاں بھی، ہرے بھرے کھیت بھی ہیں اور پُر کیف باغات بھی۔ قصہ مختصر یہ کہ اَن گنت خصائص وامتیازت نے برصغیر کو ہر دور میں اقوامِ عالم کے لئے رغبت وکشش کا باعث بنائے رکھا۔ برّصغیر میں مذہبی، سیاسی اور معاشی اغراض کے پیشِ نظر مختلف فاتحین آئے، اس ضمن میں مسلمانوں کا ظرف درجہ کمال کو چھُو گیا، وہ فاتح کی حیثیت سے اس خطّہ میں آئے، فاتحانہ تفاخر سے ماوراء ہو کر اسی سرزمین کے مکین ہو گئے، انہوں نے اپنائیت کا رجحان پایا، یہاں کے مفتوحین یعنی اصل باشندوں کو وہی مقام عطا کیا جس کے وہ حق دار تھے ، مسلم فاتحین کی تعریف وتحسین کرتے ہوئے معروف خاتون مؤرخ" Annie Besant"نے حقائق کی کیا خوب منظر کشی کی ہے:

"اس ملک پر بار ہا یورشیں ہوئی ہیں لیکن ہر بار ان بیرونی حملہ آوروں نے اس خطے کو اپنا مسکن بنالیا۔ وہ اسی کے فرزند بن گئے۔ انہوں نے اس کے ساتھ رشتہ اخوت قائم کر لیا اور مقامی باشندوں کے لئے حکومت کے سارے دروازے کھول دیئے"۔[31] برطانوی سامراج نے مسیحیت کے فروغ کے لئے جو تبلیغی حکمتِ عملی اختیار کی اور جن وسائل کو استعمال کیا اُن کی تفصیل کو ذیل کی سطور میں زیرِ بحث لایا جاتا ہے۔

1. مسیحی مشنری اداروں کا قیام واستحکام

مسیحی فکر وفلسفہ کے فروغ کے لئے منظم ومربوط، باضابطہ اور اجتماعی جدوجہد کو "مشن"(Mission) کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ اشاعتِ مسیحیت کی ایک لگن اور دُھن ہے جس کے نفسیاتی وجذباتی حصار میں اس کے متعلقین ہر وقت رہتے ہیں۔ قبولِ مسیحیت کے بعد مسیحی عقائد و نظریات کو ساری دُنیا میں پھیلانا، اس کے لئے مختلف طریقے استعمال کرنا، تربیت حاصل کرنا، مختلف علوم وفنون پر دسترس حاصل کرنا، مختلف زبانیں سیکھنا، طویل اور تکلیف دہ سفر کرنا، اجنبی اور نامانوس ماحول میں رہنا، مخصوص وضع قطع اختیار کرنا، مسیحیت کی قبولیت کے لئے لوگوں کو تیار کرنا، سیاسی حالات کے مطابق تبلیغی حکمتِ عملی کو تشکیل دینا اور اُسے اختیار کرنا، یہ وہ مختلف مراحل ہیں جو ایک مشنری کو طے کرنے پڑتے ہیں۔ کبھی یہ کام خفیہ انداز میں کیا جاتا ہے اور کبھی اعلانیہ طور پر، کبھی تعلیم کو آلۂ تبلیغ کے طور پر اختیار کیا جاتا ہے اور کبھی سائنس و ٹیکنالوجی اور جدید ذرائع ابلاغ کا سہارا لیا جاتا ہے، کبھی خدمت کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور شفاخانے، یتیم خانے اور دیگر فلاحی ادارے قائم کیے جاتے ہیں۔[32] مسیحی نقطۂ نظر سے مشن کیا ہے، اس کی نوعیت واہمیت کیا ہے، اس کے تحت سرگرمیوں کو کس طرح نظم وترتیب میں رکھا جاتا ہے، یہ کس طرح مذہب وسیاست اور سماج ومعاش کو مربوط رکھتا ہے، ایسے سوالات کے جوابات حاصل کرنے کے لئے مختلف اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں، اسٹیفن نیل(Stephon Neil) کے طویل بیان کو خلاصہ کے انداز میں ان الفاظ میں درج کیا جا سکتا ہے:

> "غیر عیسائیوں میں انجیل کی تبلیغ ہر عیسائی مشن کا بنیادی مقصد ہے۔ حصولِ مقصد کے لئے جو ذرائع استعمال ہوتے ہیں اُن میں تعلیم، طبّی کام، گونگے، بہروں اور اندھوں کے مدارس، یتیم خانے، لٹریچر، تقسیم کتب ورسائل، کارسپانڈنس کورس، کم ترقی یافتہ علاقوں میں لالٹین، سینما، ریڈیو اور زرعی وصنعتی مراکز شامل ہیں۔"[33]

مشن کی تشکیل، ترتیب اور منصوبہ بندی میں بہت سے اُمور کو زیرِ نظر رکھا گیا ہے۔ اعتدال وتوازن اور حکمت وتدبّر کے عناصر کا بہت خیال رکھا گیا، ایسا اس لئے کیا گیا کہ کہیں تبلیغِ مسیحیت کی اس منظم کوشش کے نتیجے میں غیر مسیحیوں میں کوئی اشتعال یا جذبات کو بھڑکانے کی کیفیت پیدا نہ ہو جائے، کیونکہ اس کیفیت سے غیر مسیحی لوگ اپنے مذہب کے دفاع وتحفظ کے لئے بیدار اور چوکنے ہو سکتے ہیں۔ لہذا برصغیر میں مسیحی مشن نے ان احتیاطوں کا بھرپور خیال رکھا۔ معروف مسلم مفکر محمد قطب مسیحی مشن کی ایسی ہی احتیاطوں اور حساسیّت پر مبنی کیفیات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اس زمانے میں مشنریوں نے مسلمانوں کو پوری طرح عیسائی بنانے کی بجائے صرف اسی پر اکتفا کر لیا ہے کہ مسلمانوں کے تمام طبقے بتدریج مسیحی افکار اپنالیں اور ان میں مغربی علوم اور آزدیٔ نسواں کا شدید رجحان پیدا ہو جائے۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کا رسمی طور پر عیسائی بننا کچھ زیادہ اہم نہیں ہے بلکہ حقیقی اہمیت اس بات کی ہے کہ مسلمان فکری، روحانی اور معاشرتی اعتبار سے نصرانی بن جائیں اور یہی مقصد ہے جس میں صلیبی سامراج پوری طرح کامیاب ہے۔"[34]

برصغیر میں برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کی آمد سے قبل پُرتگالیوں نے مسیحیت کے فروغ کے لئے نامناسب اور غیر اخلاقی طریقہٗ کار اختیار کیا تھا۔ لالچ، جبر واکراہ، توہین، قید وبند حتیٰ کہ سزائے موت کو بھی آلہٗ تبلیغ کے طور پر استعمال کیا گیا۔[35] برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی نے ابتداء میں پرتگالیوں کے برعکس نرمی اور رعایت کا معاملہ اختیار کیا مگر جب ۱۸۵۷ء میں انگریز کو برصغیر پر مکمل غلبہ واقتدار حاصل ہو گیا تو اُن کی حکمتِ عملی میں بھی تبدیلی واضح طور پر دیکھی گئی۔ مسیحی مشنریز کی سرگرمیوں کو مختلف مذہبی اور علمی حلقے مختلف انداز میں سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔ بعض اوقات منفی اور شدید ردِّ عمل کا سامنا بھی ان مشنریز کو کرنا پڑتا۔ مدھیہ پردیش میں ان سرگرمیوں کے خلاف شدید احتجاج کیا گیا تو حکومت نے ایک تحقیقاتی کمیٹی بنادی۔ کمیٹی نے تہتر (۷۳) مسیحی مراکز کا دورہ کیا، ۱۱۳۶۰ لوگوں سے بلواسطہ یا بلاواسطہ رابطہ کیا، کمیٹی نے جو رپورٹ پیش کی اس سے ایک اقتباس درج کیا جاتا ہے:

"اپنے مدرسوں میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کو مفت تعلیم کے ساتھ ساتھ عیسائی لڑکیوں سے شادی کراتے ہیں اور دوسری سہولتیں دیتے ہیں، اُدھار دیتے ہیں، ہسپتالوں میں مسیحی لٹریچر تقسیم کرتے ہیں اور وہاں پر داخل شدہ مریضوں کے سامنے عبادت کرتے ہیں۔ گھریلو معاملات میں دخل اندازی اور مقدمہ بازی میں مدد کرتے ہیں۔ چھوٹے بچوں اور عورتوں کا اغوا ان کا وطیرہ ہے۔ مزدوروں کی بھرتی عیسائی عقیدے کے پروپیگنڈہ کے لئے کرتے ہیں۔"[36]

برطانوی سامراج نے مسیحی مشنریز کی ہر طرح سے مدد کی، تمام تر سرکاری وسائل استعمال کرکے مشن کی راہ میں آنے والی رکاوٹوں کو صاف کیا جاتا۔ مثلاً ہندوستانی دستور میں یہ وضاحت موجود تھی کہ جب کوئی ہندو شخص مسیحیت کو قبول کرلیتا تو اس کو شاستر میں بیان شدہ حکم کے مطابق وراثت سے محروم کردیا جاتا۔ اس دستوری مسئلہ کی وجہ سے ہندوؤں میں فروغِ مسیحیت پر منفی اثرات مرتب ہو رہے تھے۔ پادریوں کو دقّت کا سامنا کرنا پڑتا تھا، لارڈ ڈریڈ نگ نے مشنریز کی اس مشکل کو حل کرنے کے لئے قانون سازی کردی اور مذکورہ دقّت ورکاوٹ کو سرکاری اختیار کے تحت راستے سے ہٹادیا۔ اس دستوری معاملے کی وضاحت کرتے ہوئے امداد صابری نے لکھا ہے کہ یہ ایکٹ ۱۸۵۰ء میں نافذ کیا گیا، اس سے یہ تاثر بھی قائم ہو گیا کہ برطانوی راج کو بہر صورت مسیحیت کی اشاعت اور اس کی قبولیت میں اضافہ کرنے کے لئے اقدامات کرنا ہیں۔[37] مسیحی مشنریز کی سہولت کی خاطر زمینیں الاٹ کی گئیں، سرکاری محکموں میں مداخلت کی گئی، تعمیرات کے لئے فنڈز دیئے گئے، بستیاں آباد کی گئیں اور مالی نوازشات کی مدد سے قبولِ مسیحیت پر آمادہ کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ جو لوگ مسیحیت کے دائرہ میں داخل ہو جاتے اُن کا سماجی مقام و مرتبہ بلند کردیا جاتا ،اُنہیں مقامی اعزازات سے نوازا جاتا، انہیں برطانیہ اور کینیڈا کے پُر تکلف دورے بھی کرائے جاتے۔ اس ضمن میں مسیحیت کو قبول کرنے والے آرچ ڈیکن احسان اللہ کی مثال پیش کی جاسکتی ہے، اُسے برطانیہ اور امریکہ کے دورے کرائے گئے، سارے خاندان کو خصوصی پروٹوکول سے نوازا گیا، اس کا اور اس کے خاندان کا علاج سرکاری خزانے سے کرایا گیا۔[38] مسیحی مشنریز کے ضمن میں سرکاری حمایت کو حاصل کرنے کے لئے بڑے نظم وضبط سے کام لیا گیا، مضبوط و مستحکم ادارے تشکیل دیئے گئے۔ چرچ بنائے گئے، سالویشن آرمی کے نام سے تنظیم بنائی گئی، تعلیمی ادارے قائم کئے گئے، طبّی ادارے بنائے گئے، ذہنی معذوروں کے لئے "دارالسکون" قائم کئے گئے، مذہبی تربیت کے ادارے بنائے گئے، تحریر وتصنیف اور اشاعتِ کتب کے لئے مکتب ہائے کتب تشکیل دیئے گئے، سماجی ورفاہی تنظیمیں وجود میں آئیں، خواتین کی راہبانی جماعتوں کو منظم کیا گیا، الغرض مسیحی مشنری اداروں کو کھل کر مسیحیت کی تبلیغ کے مواقع فراہم کئے گئے، یہ سب کچھ برطانوی حکومت کے زیرِ سایہ ہو رہا تھا۔ تاجِ برطانیہ کے ہندوستان میں موجود نمائندوں نے مشنری اداروں کے قیام اور پھر اُن کے استحکام میں بڑے سے بڑے تعاون سے بھی گریز نہ کیا۔ فروغِ مسیحیت کی اس منظم تحریک کا حجم اس حقیقت کا عکاس ہے کہ انگریز حکومت نے خُفیہ واعلانیہ انداز میں مشنری اداروں کو سیاسی، مالی اور انتظامی اعتبار سے بھرپور مدد فراہم کی۔

2. مفت تعلیم کے انتظامات

حکومت نے اپنے وسائل سے ایسے ادارے بنائے جن میں مفت تعلیم دی جاتی تھی، شرط صرف یہ تھی کہ طالب علم مسیحیت کی ضروری تعلیم بھی حاصل کرے گا، بعض ادارے اس بات کا حلف لیتے تھے کہ تعلیم سے فراغت کے بعد طالب علم مشنری سرگرمیوں میں حصہ لے گا۔ یہ انتظامات

۱۸۵۷ءسے قبل ہی شروع کردیئے گئے تھے،البتہ اقتدار پر مکمل غلبہ کے بعد ان قدامات میں تیزی آگئی۔ایسے ادارے لڑکوں کے لئے تھے اور لڑکیوں کے لئے بھی۔اس میں خصوصیت سے یہ انتظام کیا گیا تھا کہ تمام طلبہ مسیحی دُعاؤں میں لازمی طور پر شرکت کریں گے۔[39] ان اداروں کی خصوصیت یہ تھی کہ یہ خالصتاً مذہبی تعلیم کے ادارے نہ تھے بلکہ جدید علوم اور مہارتوں پر مشتمل ادارے تھے۔البتہ مذہبی تعلیم کا کچھ لازمی حصہ ان اداروں میں پڑھایا جاتا تھا۔ان اداروں کے مقامی آبادی پر بہت اثرات ہوئے کیونکہ ان اداروں میں برطانوی یا مقامی انگریزوں میں موجود مخیّر حضرات کی طرف سے دودھ کے ڈبے،جوس اور خوردونوش کی دیگر اشیاء فراہم کی جاتی تھیں۔اس حکمتِ عملی سے مسیحیت کا سماجی رابطہ مقامی آبادی سے احسن طریقے سے قائم ہوگیا،بہت سے مسلم اور ہندو بچے ان اداروں میں تعلیم پاتے تھے۔اس طرزِ عمل سے انگریز اور مسیحی پادریوں نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ ہم بلاامتیاز سب مذاہب کے لوگوں کے خیر خواہ ہیں اور تعلیمی ترقی کے طالب ہیں۔

3. مفت تقسیمِ کُتب

کتاب تعلیم،تدریس،ابلاغ اور تبلیغِ مذہب کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔انگریزی حکومت نے مشنریوں کو وہ وسائل فراہم کئے جن کی مدد سے وسیع پیمانے پر کتب کی طباعت ہوتی اور اُنھیں عوام وخواص میں مفت تقسیم کیا جاتا۔ابتدائی طور پر صرف انجیل کی مختصر دعاؤں کو کتابی شکل دے کر تقسیم کیا جاتا تھا مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ سلسلہ وُسعت اختیار کرگیا،یہ کُتب ہندوستان میں بولی جانے والی مختلف زبانوں میں ہوتی تھیں۔ہندوستان سے باہر کولمبو تک یہ کتب تقسیم کی جاتی تھیں۔[40] بعدازاں ان کتب کے موضوعات انتہائی اشتعال انگیز ہوگئے۔مناظرانہ اور مذہبی تنقید پر مشتمل کتب بھی اس سلسلے میں شامل ہوگئیں۔یہ کتب بڑے بڑے مناظروں کا باعث بن گئیں۔برصغیر کی مذہبی وسیاسی فضا ان کتب نے مشتعل کردی۔مسیحیت کی اشاعت کے نام پر مقامی آبادی کو ہدفِ تنقید بنایا جارہا تھا۔ان کتب کی فراہمی انگریز حکومت اور دیگر مسیحی افراد میں موجود مخیر حضرات کی معاونت سے ہوتی تھی۔ضلعی انتظامیہ اور دیگر صوبائی ومرکزی محکمہ جات اکثر اس ضمن میں معاونت ورہنمائی فراہم کرتے تھے۔بات تبلیغِ مذہب سے آگے نکل کر سیاسی اہداف کے حصول تک پہنچ گئی تھی۔

4. پادریوں کے لئے مناظرانہ تربیت فراہم کرنے والے اداروں کا قیام

مناظرہ تبلیغ ودفاعِ مذہب کا ایک مخصوص انداز ہے جس میں دو افراد یا دو گروہ کسی متعین موضوع پر غور وفکر کرتے ہیں،اس موضوع پر گفتگو کرتے ہیں،مباحثہ ہوتا ہے،اپنی بات کو منوانے کے لئے دلائل پیش کئے جاتے ہیں،اپنے مؤقف کی صداقت اور مخالف کے مؤقف کی تنقیص کرکے اس کا ردّ کیا جاتا ہے۔اپنے مؤقف پر اُٹھنے والے اعتراضات کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔یہ گفتگو عقلی بھی ہوسکتی ہے اور نقلی بھی۔یعنی اس میں کتب ورسائل کے حوالہ جات بھی ذکر کئے جاتے ہیں۔مناظرہ سُننے والوں پر فوری اثرات ہوتے ہیں۔انگریز حکومت نے فروغ مسیحیت کے لئے ہر طرح کے ہتھکنڈے آزمائے۔مشنری اہداف کے حصول کے لئے اسلام اور دیگر مذاہب پر بے جا تنقید کی،مسیحی مناظرین سرعام دیگر مذاہب خصوصاً اسلام کی توہین کرتے۔قرآن،حدیث،پیغمبرِ اسلام ﷺ اور دیگر اسلامی عقائد وشعار پر شرم ناک تنقید کی جاتی۔مسلم علماء کو مناظروں کی دعوت دی جاتی۔پادریوں کے پیشِ نظر صرف مسیحیت کی تبلیغ نہ تھی بلکہ حکومتِ وقت کی حمایت اور بالادستی کے استحکام کے لئے وہ ایسی اوچھی حرکات کرتے تھے کہ لوگ اسلام سے بیزار ہوجائیں۔ان مقاصد کے حصول کے لئے ایسے ادارے قائم کئے گئے جن میں مسیحی پادریوں کو مناظروں کی تربیت فراہم کی جاتی تھی۔انہیں سکھایا جاتا تھا کہ مناظروں میں کیسا رویہ رکھنا ہے،مسلمانوں کے اعتراضات کے جوابات کس طرح دینے ہیں اور غیر عیسائیوں کے اعتراضات کون کون سے ہیں۔[41] اس سارے طوفانِ بدتمیزی کے پیچھے پادریوں کی منصوبہ بندی تھی اور حکومتِ وقت یعنی انگریز کا فراہم کردہ سرمایہ تھا۔یہ ایک الگ بحث ہے کہ مسیحیوں کو مناظرانہ سرگرمیوں کا کیا فائدہ ہُوا اور مسلمانوں نے اس روش کے ردِّ عمل میں کیا اقدامات کئے۔تاریخی حقائق سے ثابت ہے کہ مسلمانوں کو ان مناظروں میں فتوحات حاصل ہوئیں اور مسیحی پادریوں کو منہ کی کھانی پڑی۔[42] اگر مسیحیوں کو حکومتی سرپرستی حاصل نہ ہوتی تو ان مناظروں کے لئے نہ تو تربیتی ادارے مشنریز قائم کرسکتی تھیں اور نہ ہی مقامی آبادی کے خلاف ایسی شرم ناک حرکتوں کی جرأت پادریوں کو ہوسکتی تھی۔

5. اخبارات ورسائل کی اشاعت

تعلیم وتربیت،اطلاع وابلاغ، تبصرہ وتجزیہ اور رائے عامہ ہموار کرنے میں اخبارات ورسائل اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ کتب کی نسبت اخبار بعض اوقات زیادہ مؤثر کردار ادا کرتا ہے، کتاب صرف ایک موضوع کا احاطہ کرتی ہے جبکہ اخبار بہت سے موضوعات پر مواد شائع کرسکتا ہے۔ کتاب کی وسعت وتنوع کے سبب لوگ زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔ مسیحی مشنریوں نے مذہبی عقائد کی ترویج واشاعت میں اخبارات ورسائل سے بھرپور فائدہ اُٹھایا۔ پرنٹنگ پریس کا آغاز پرتگیزیوں کی آمد کا مرہونِ منت ہے، برصغیر میں بڑے بڑے چھاپہ خانے قائم ہوگئے۔ برطانوی مشنریوں نے اس صنعت کو مذہبی وسیاسی مقاصد کے حصول کے لئے خوب استعمال کیا۔ بہت سی مشنریوں نے اپنے پرنٹنگ پریس قائم کرلئے،انہوں نے وسیع پیمانے پر مسیحی کتب اور بائیبل کے تراجم کو شائع کیا۔ یہ تراجم اُردو، پنجابی سمیت برصغیر میں بولی جانے والی دیگر زبانوں پر مشتمل ہوتے تھے۔ برطانوی عہدِ حکومت میں بہت سے اخبارات ورسائل شائع کئے گئے۔ جن اخبارات ورسائل کو تلاش کیا جاسکا یا اُن کے بارے میں مختلف ذرائع سے معلومات حاصل کی جاسکیں اُن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔[43]

نمبر شمار	اخبارات	اڈیٹر	مقامِ اشاعت	سنِ اشاعت	نمبر شمار	اخبارات	اڈیٹر	مقامِ اشاعت	سنِ اشاعت
.1	سماچار دین			۱۸۱۸ء	2	خیر خواہِ ہند	پادری ماتھر	مرزاپور	۱۸۴۷ء
.3	محبوبِ ہند	ماسٹر رام چندر داس		۱۸۵۲ء	4	شملہ اخبار	سرہربٹ ایڈورڈ	شملہ	۱۸۵۳ء
.5	بامداد		ممبئی	۱۸۵۹ء	6	خیر خواہِ خلق		آگرہ	۱۸۶۳ء
.7	لوک متر		دیوناگری	۱۸۶۳ء	8	مواعظ عقبیٰ		دہلی	۱۸۶۷ء
.9	حقائق عرفان	عمادالدین	امرتسر	۱۸۶۷ء	10	مخزنِ مسیحی	پادری جے دانش	الہ آباد	۱۸۶۷ء
.11	میور گزٹ		میرٹھ	۱۸۸۸ء	12	جلوۂ طور		میرٹھ	
.13	کوکب عیسوی		لکھنؤ	۱۸۶۸ء	14	پنجاب ریویو	پادری رجب علی	امرتسر	
.15	نور افشاں		لدھیانہ	۱۸۷۳ء	16	شمس الاخبار	پادری رجب علی	لکھنؤ	۱۸۶۹ء
.17	بمبئی گارجین		بمبئی		18	صدرالاخبار		آگرہ	۱۸۴۶ء
.19	کوکبِ ہند		لکھنؤ	۱۸۶۹ء					

مسیحیت کی تبلیغ اور دیگر مذاہب کی توہین وتنقیص پر مشتمل مواد ان اخبارات ورسائل میں بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کرایا جاتا۔اس ضمن میں مشنریوں کی کارکردگی ملاحظہ کرنی ہو تو گارساں دتاسی کے خطبات اور مقالات بڑے مفید ثابت ہوسکتے ہیں۔ مثلاً ریورنڈ کلارک نے مشنریوں کی کارکردگی سے متعلق ایک اہم رپورٹ تیار کی،اس کا تجزیہ کرتے ہوئے گارساں دتاسی نے لکھا:

"بہت سے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اس قسم کے مذہبی رسالہ جات سے جو دیسیوں میں تقسیم کئے جارہے ہیں، کوئی اثر نہیں ہورہا اور کوئی نتیجہ نہیں نکل رہا ہے۔ لیکن جس رپورٹ کا میں ذکر کررہا ہوں اس کے معائنے سے اس امر کے کئی ثبوت مل سکتے ہیں کہ واقعہ اس کے برعکس ہے۔"[44]

مسیحیت کے پھیلاؤ میں اخبارات ورسائل کا دعوتی کردار اس پہلو سے بھی نمایاں ہے کہ ان کے مدیران مسیحی پادری ہُوا کرتے تھے۔اُن کی پوری ٹیم مشنریوں پر مشتمل ہوتی تھی۔ صحافت کے ذرائع کو مسیحی فکر کی اشاعت کے لئے استعمال کرنے کا کام حکومتی مداخلت اور حکومتی سرمایے سے ہورہا تھا۔ مقامی لوگوں کے ٹیکس کی رقم سے مقامی مذاہب کا مذاق اُڑایا جارہا تھا اور قابضین کے مذہب کی فضیلت کو بیان کیا جارہا تھا۔

6. یتیم اور لاوارث بچوں میں جبری تبلیغ مسیحیت

مسیحیت کی جبری تبلیغ سے متعلق شکایات برِّصغیر میں آنے والی تمام یورپی اقوام کے متعلق آتی رہی ہیں۔اس ضمن میں پُرتگالیوں کا یہ رویہ نہایت نامناسب اور انسانیت سوز تھا۔[45] برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی میں موجود بعض افراد نے بھی اسی روش کو اپنایا۔ انگریز دور میں آنے والی مشنریز نے جبری تبلیغِ مسیحیت کے لئے مختلف ہتھ کنڈے استعمال کئے۔ان میں سے ایک طریقہ یہ تھا کہ یتیم اور لاوارث بچوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کی گئی۔[46] اس ضمن میں انسدادِ غلامی کے قانون کا سہارا لیا گیا۔ مشنریوں کے اس اقدام کی وضاحت اور اس سے جُڑے دیگر حقائق کا اعتراف کرتے ہوئے ممتاز مسیحی دانشور ایس۔کے۔داس نے لکھا ہے:

"۱۹۳۸ء میں ایک قحط پڑا ان میں یتیموں اور بچوں کو جن کے سرپرست ان کی کفالت کرنے کے قابل نہیں تھے مسیحی منادوں کے حوالے کردیا گیا، جو ہندو اور مسلمان اپنے ہم مذہب بچوں کی کفالت کرنا چاہتے تھے اُن کو اجازت نہیں دی گئی۔ سرسید احمد خان کو بھی وہ بچے جن کی وہ پرورش کررہے تھے مسیحی منادوں کے حوالے کرنا پڑے۔"[47]

جبری طور پر یتیموں کی دیکھ بھال کا ذمہ لینا مسیحی مشنریوں کا تبلیغی حربہ تھا۔ تاریخی طور پر یہ امر مسلمہ ہے کہ اس طریقۂ کار کے تحت بھی کچھ لوگ مسیحی بنائے گئے۔ معروف مسیحی پادری اور مناظر جی۔ایل۔ٹھاکر داس (م ۱۹۱۰ء) کا قبولِ مسیحیت بھی اسی تبلیغی حکمتِ عملی کا شاخسانہ ہے۔ اُن کے قبولِ مسیحیت اور مشنری سرگرمیوں میں متحرک کردار کے پسِ منظر کو اختر راہی اس طرح تحریر کرتے ہیں:

> "پادری رام چندر کی طرح پادری ۔ایل۔ٹھاکر داس عیسائیت کو ہندومت سے حاصل ہوئے تھے۔ وہ لکھنؤ کے ایک برہمن دیوی بھجن کے گھر پیدا ہوئے جو برطانوی دیسی فوج میں ملازم تھے۔۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے فرائض کی ادائیگی میں کام آگئے تھے۔۱۸۵۷ء کی جنگ کے تین سال بعد قحط پڑا اس نے پورے خاندان کو پریشان کر دیا۔ زندگی کی تلاش میں ان کی والدہ بچوں کے ساتھ لکھنؤ سے چلتے چلتے سیالکوٹ آگئیں، جہاں اُن کے بچوں کو مشن سکول کے یتیم خانے میں داخل کرایا گیا۔ کچھ عرصہ بعد ماں بیٹا دونوں نے بپتسمہ لے لیا۔ جی۔ایل ۔ ٹھاکر داس نے بعد میں کلکتہ یونیورسٹی سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا اور پادری جی۔پی۔میکی سے عیسائی دینیات کی تعلیم حاصل کی۔۱۸۷۷ء میں پادری ہو گئے۔ پادری جی۔ایل۔ٹھاکر داس نے پنجاب میں پسرور، سیالکوٹ، اور گوجرانوالہ میں دینی فرائض انجام دیئے۔ جو اس شہر کی عیسائی آبادی کا ایک اہم حصہ رہے ہیں۔"[48]

یتیم خانوں پر دھیان دینا مشنریوں کا مستقل ہدف تھا۔ ان اداروں کی سماجی افادیت پر بات کرتے ہوئے سسٹر صدی ریجینا یوحنا لکھتی ہیں:

> "۱۸۹۱ء میں برادر جوکیم نے طاعون کے شکار افراد کی دیکھ بھال سنبھالی، سنٹرل انڈیا تک فادر لیون، فادر فلیکس نے دو سسٹرز کے ساتھ گجرات اور بنگال تک سفر کیا۔ اور ایک سو بچوں کو اپنے ہمراہ لائے۔ اور ان یتیم بچوں کو سینٹ فرانسس سکول انارکلی میں رکھا۔ یہ یتیم خانہ تھارٹن روڈ پر سسٹرز آف چیریٹی کے زیرِ نگرانی رہا۔ ۱۹۰۰ء میں وہ دوسرے سفر کے دوران اجمیر اور دیگر علاقوں میں گئے اور مزید بچے لاہور لائے جن کو لاہور اور مریم آباد کے یتیم خانوں میں رکھا گیا۔"[49]

انگریز حکومت اور مسیحی مشنریوں نے صرف یتیموں کی دیکھ بھال کے نام پر فروغِ مسیحیت کے اقدامات ہی نہیں کئے بلکہ دیگر مذاہب کے حاملین خصوصاً مخیر حضرات کو روکا بھی کہ وہ یتیم بچوں کی کفالت نہیں کر سکتے۔ سر سید احمد خان کا رویہ مفاہمانہ ہونے کے باوجود ان کو اجازت نہ دی گئی کہ وہ یتیموں کی تعلیم و تربیت یا کفالت کر سکیں۔ بادیٔ النظر میں یہ خدمت نہیں بلکہ قبضہ تھا، سہولت نہیں بلکہ جبر تھا۔ یہ سب کچھ فروغِ مسیحیت کے ایک مرحلہ اور ایک اہم موقع کے طور پر اختیار کیا جا رہا تھا۔ مجبوروں اور بے سہارا بچوں کو بھی غیر محسوس جبری تبلیغ کے مراحل سے گزارا گیا۔

1. برِّصغیر کی مسلم تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش

مسیحیت کی راہ ہموار کرنے کے لئے انگریز سرکار نے ضروری خیال کیا کہ مسلمانوں کے بارے میں نفرت انگیز پروپیگنڈہ کیا جائے، اس ہدف کو حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کو غیر ملکی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔[50] ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی کہ مسلمان حکمران سکھوں اور ہندوؤں پر مظالم ڈھاتے رہے۔[51] حقائق کے منافی اس مہم کے بہت سے مراحل مسلمانانِ برصغیر نے دیکھے۔ اس جعلی تصویر کشی کے لئے انگریزوں نے مسلسل پروپیگنڈہ کیا۔ اس کی ایک مثال وہ جنگ ہے جو لارڈ ایلن بارو اور افغانوں کے درمیان ہوئی۔ لارڈ ایلن بارو کو ۱۸۳۹ء میں افغانوں نے شرمناک شکست سے دوچار کیا، اس شکست کا بدلہ لینے کے لئے انگریز نے دوبارہ افغانستان میں اپنی فوج روانہ کی۔ جنگ میں انگریزوں کو جزوی فتح حاصل ہو گئی، افغانستان سے قلعہ غزنی کا دروازہ فتح کے ثبوت کے طور پر ہندوستان لایا گیا۔ یہ ساری کارروائی جنرل ناٹ کی تھی، گورنر جنرل لارڈ ایلن بارو نے یہ جھوٹا پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ ہم نے مسلمانوں سے ہندوؤں پر ظلم کرنے کا بدلہ لیا ہے کیونکہ یہ وہی دروازہ ہے جس کو محمود غزنوی سومنات

سے اُکھاڑ کر اپنے ساتھ غزنی لے گیا تھا اور اس نے اس دروازے کو قلعہ غزنی میں لگوادیا تھا۔ انگریز نے جشنِ فتح مناتے ہوئے اس دروازے کو سرہند سے آگرہ تک ایک طویل جلوس کی صورت میں گمایا، راستے میں ہندواس دروازے کی زیارت کرتے اور اس کی تعظیم بجالاتے۔ اس شر انگیز پروپیگنڈے سے ہندو مسلم تعلقات پر منفی اثرات مرتب ہوئے اور دوسری جانب انگریز نے ہندوؤں سے دوستی جتانا شروع کردی۔ بعد ازاں تحقیقات ہوئیں، ماہر تعمیرات فرگوسن نے بتایا کہ غزنی سے آنے والا دروازہ دیودار کا ہے جبکہ سومنات کا مذکورہ دروازہ صندل کا تھا۔[52] قصہ مختصر یہ کہ انگریز نے محض مسیحیت کے فروغ کے لئے ہی اقدامات نہیں کئے بلکہ بالواسطہ انداز بھی اختیار کئے جن میں سے ایک اہم طریقہ دیگر مذاہب سے نفرت کا ماحول پیدا کرنا تھا۔ اس منفی طریقہ سے کوشش کی گئی کہ دیگر مذاہب کے کردار کو تاریک، داغدار اور شرم ناک بنا کر پیش کیا جائے اور یوں مسیحیت کے لئے لوگوں کے دلوں میں جگہ پیدا کی جائے۔

2. سرکاری افسران کی ماتحتوں میں تبلیغِ مسیحیت:

اقتدار و اختیار اور افسری کا اپنا ایک رُعب اور اثر ورسوخ ہوتا ہے۔ ماتحتوں کو اپنے افسر سے بہت سی سہولیات اور رعایات درکار ہوتی ہیں۔ اس لئے حکام یا سرکاری افسران اپنے ماتحتوں کے مزاج حتیٰ کہ مذہبی عقائد وافکار پر بھی اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ برطانیہ کے ہندوستان میں متعارف کرائے ہوئے افسر شاہی نظام کی یہ خوبی یا خامی ہے کہ اس میں دفتری نظم وضبط اور پورے نظام پر باس(BOSS) کی گرفت بہت مضبوط ہوتی ہے۔ اس حیثیت کو برطانوی سامراج نے اپنے افسران کے ذریعے خوب استعمال کیا۔ یہ افسران دوران دفتری اوقات اور بعد کے اوقات میں بھی مشنری سرگرمیاں انجام دیتے تھے، وہ اپنے ماتحتوں کو مسیحیت کی طرف راغب کرتے تھے۔ اُن کا ماتحت مسلمان ہوتا یا ہندو ہوتا یا کسی اور مذہب کا ماننے والا ہوتا، وہ افسر اپنے مرتبے اور مقام کا رُعب استعمال کرتا اور بڑی مستعدی سے مذہبی پیغام کو اپنے ماتحت تک پہنچاتا۔ سید محمد میاں نے سرکاری حکام کی اس تبلیغی حکمتِ عملی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "حکام شہر اور افسران افواج اپنے ماتحتوں سے مذہبی باتیں کرتے تھے اپنی کوٹھیوں پر بلا کر پادریوں سے تلقین کراتے تھے۔ لیفٹیننٹ کرنل ویلر جو این رجمنٹ کا کمانڈر تھا اس نے ۱۸۵۷ء میں بڑے فخر سے کہا بیس برس سے کچھ زیادہ دنوں سے میری عادت رہی ہے کہ سب قسم کے آدمیوں کو بغیر کسی تمیز کے وعظ سناتا ہوں، مسیح کا سپاہی بن کر خدا کے احکام اور سرکاری کمپنی کا سپاہی بن کر اس کے احکام سناتا ہوں۔"[53]

3. غرُباء کی بستیوں میں مخصوص تبلیغی حکمتِ عملی

غُربت و محرومی انسانی شخصیت و کردار کو بڑی سُرعت سے تبدیل کردیتے ہیں۔ غربت ساری انسانیت کا مسئلہ ہے خصوصاً انگریزی دورِ اقتدار میں برصغیر کو عمومی طور پر غربت کے سنگین مسائل کا سامنا تھا۔ مغل اقتدار میں جو خوش حالی میسر تھی انگریزوں نے اُسے معکوس جہت عطا کردی تھی۔[54] انگریز نے اپنی ہی پیدا کردہ غُربت کو آلۂ تبلیغ کے طور پر استعمال کیا۔ جو لوگ اپنے معاشی حالات کی وجہ سے مشکل میں تھے اُن کو اپنا تبلیغی ہدف بنایا۔[55] عوام کو باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ قبولِ مسیحیت سے اُن کی اقتصادی حالت بہتر ہو جائے گی اور مسیحی فرد کی حیثیت سے سماجی رُتبہ بڑھ جائے گا۔ نو آبادیاتی دور میں بہت سے ایسے شواہد موجود ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ مسیحیت کو قبول کرنے کے بعد حکومتی نوازشات کی گئیں، بیرونِ ملک کے دورے کرائے گئے۔ معاشی خوش حالی کے دروازے کھول دیئے گئے۔[56] پادری جوزف ارشد نے غریبوں میں مسیحیت کی تبلیغی حکمتِ عملی کا دفاع ان الفاظ میں کیا ہے:

> "یہاں پر میں اس حقیقت کو واضح کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ برصغیر پاک وھند میں مسیحیت زیادہ تر صرف ان ہی لوگوں کے لئے کشش کا باعث تھی جو غریب، ان پڑھ، لاچار، ظلم وستم کا شکار اور جہالت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ جونہی انہیں کچھ روشنی اور امید نظر آئی انہوں نے مسیحیت کو گلے لگایا تاکہ اپنے معاشی حالات بدل سکیں۔"[57]

اسی مؤقف کی تائید فادر لارنس سلڈانہ کے بیان سے ہوتی ہے:

"چند سال بیشتر مرکزی ہندوستان میں وسیع پیمانے پر مسیحیت میں شامل ہونے کی تحریک Mass Conversion) (Movement کا آغاز ہوا تھا جس میں ہیچ ذاتوں سے تعلق رکھنے والے چمار اور بھیل شامل تھے۔"[58]

اس تصویر کا ایک دوسرا رُخ یہ ہے کہ برطانوی عہد میں مسلمانوں کو ملازمت کا مل جانا ایک امرِ محال سمجھا جاتا تھا۔ بہت سے غُرباء نے محض تلاشِ روزگار کی جدوجہد میں مسیحیت کو قبول کر لیا۔ حصولِ روزگار یا ملازمت میں ترقی کی خواہش کی تکمیل کے لئے بھی کچھ لوگ مسیحی ہو گئے۔ ایسا کرنے والوں میں بعض ایسے پادری بھی شامل تھے جنہوں نے اسلام ترک کر کے مسیحیت کو قبول کیا تھا۔ پادری صفدر علی کا معاملہ بھی اس پسِ منظر میں سمجھا جا سکتا ہے۔ پادری صفدر علی کے ضمن میں تاریخِ ادبیاتِ مسلمانانِ پاک و ہند میں درج الفاظ کا پسِ منظر اور اس کا درست مفہوم اخذ کرنے کی ضرورت ہے:

"اس نے کئی کتابیں تصنیف کیں جن میں ایک رسالہ 'نیاز نامہ' ہے۔ اس رسالہ میں اس نے مسلمانوں کو اپنی تبدیلیٔ مذہب کی وجہ بتائی ہے۔ اس کتاب کو محض اس خاطر عیسائیوں نے حرز جان بنایا کہ یہ ایک دنیا طلب مولوی کی تصنیف ہے جو پیٹ کے لئے عیسائی ہو گیا۔"[59]

مسیحی اہلِ قلم اور تاریخِ برصغیر سے دلچسپی رکھنے والوں نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ مظلوم اور ستائے ہوئے لوگوں نے مسیحیت کی آمد پر خوشیاں منائیں اور اس لئے مذہب کو خوش آمدید کہا مگر حقیقت اس کے برعکس ہے۔ دراصل مسیحیت نے انسانی کمزوریوں خصوصاً غُربت اور محرومیوں کو بطور ہتھیار استعمال کیا۔ لالچ اور مرتبہ کے حصول کی خواہش نے بعض لوگوں کو مسیحیت کی طرف راغب کیا۔

4. مقامی آبادی کے مذہبی شعار کی توہین

کسی بھی مذہب کے ماننے والوں کے لئے مذہبی شعار کی بڑی اہمیت ہُوا کرتی ہے۔ یہ شعار مذہبی شناخت کی حیثیت تو رکھتے ہی ہیں مگر حاملینِ مذہب سے ان کا تعلق بڑا جذباتی اور حسّاس نوعیت کا ہوتا ہے۔ زندہ اور باشعور اقوام نے ہمیشہ اپنے مذہبی شعار کے تحفظ اور اس کے احترام کے لئے جدوجہد کی ہے۔ انگریز حکومت نے غیر مسیحی لوگوں کے مذہبی شعار کے خاتمے کے لئے بھرپور اقدامات کئے۔ امداد صابری نے انگریز حکومت کی حکمتِ عملی کو ان الفاظ میں واضح کیا ہے:

"انگریزی حکام نے مسلمانوں اور ہندوؤں کے مخصوص مذہبی نشانات مٹانے کی بھی کوشش کی اور ۱۸۰۸ء میں پہلی بار ویلوس مدارس میں سر جان کر اور ایک کمانڈر انچیف نے اپنے فوجی قوانین میں تین باتوں کا اضافہ کیا اور حکم دیا کہ ہندوستانی فوجی ماتھے پر تلک نہ لگائیں، داڑیاں منڈائیں اور اپنی ہندوستانی وضع کی ٹوپی چھوڑ کر انگریزی ہیٹ پہنیں۔[60] مذہبی شعار کے خاتمے کی یہاں تک کوشش کی گئی کہ قیدیوں کے ساتھ بد سلوکی کا ایک طریقہ یہ تھا کہ اُن کی داڑھیاں مونڈ دی جاتیں۔ مولانا جعفر تھانیسری کو جب قید کیا گیا تو اُن کی داڑھی بھی مونڈ دی گئی۔[61] یہ ایک غیر انسانی سلوک تھا جس کا مقصد مسیحیت کی ترغیب تھا۔ اقتدار کا نشہ تھا اور نیت مشنریوں کے کام کی تکمیل تھی۔ مسلمانوں کے مذہبی شعار اور ان کی تہذیبی علامات کو ختم کرنے کے لئے مختلف شعبوں میں تبدیلیاں عمل میں لائی گئیں۔ عربی و فارسی کو نظر انداز کیا گیا، شرعی عدالتوں اور دینی اوقاف کا سلسلہ ختم کر دیا گیا، مخلوط تعلیم، غیر شرعی انداز میں ثقافتی تقریبات اور رقص و سرور کی محافل کو تعلیمی و سماجی اداروں میں متعارف کرایا گیا۔ انسانوں کی مذہبی تاریخ میں مذہبی شعار کی توہین جس قدر انگریز نے کی اُتنی کسی اور قوم اور حکومت نے نہیں کی۔ ظاہری وضع قطع کی بناء پر ملازمتیں دینے سے انکار کرنا کہاں کا انصاف ہے۔"[62]

5. دستور سازی کے ذریعے مشنری عزائم کی تکمیل

دستور کسی ریاست کی وہ اعلیٰ ترین اور معتبر دستاویز ہے جس کے مطابق نظام حکومت اور دیگر شعبہ جات کو چلایا جاتا ہے۔ یہ دستاویز حقوق و فرائض اور درست یا غلط ہونے کی نشاندہی کرتی ہے۔ حاکمیت کی اصل قوت اس میں پنہاں ہوتی ہے۔ انگریز نے جہاں دیکھا کہ ہندوستانی دستور مسیحی فکر کی

راہ میں رکاوٹ ہے تو فوراً دستور میں ترمیم کر دی۔ مثلاً ایک ہندو جب اپنا مذہب ترک کر دیتا تو وہ اپنے حقِ وراثت کو کھو بیٹھتا تھا۔ وراثت چھن جانے کے خوف سے بہت سے ہندو مشنریوں کی باتوں پر کان نہیں دھرتے تھے اور قبولِ مسیحیت سے گریزاں رہتے تھے۔ مشنریوں نے انگریز سرکار کے ذمہ داران سے معاملے کی حساسیّت کا ذکر کیا تو تمام رکاوٹیں ہٹا دی گئیں۔ لارڈ ڈریڈ نگ نے قانون نافذ کر دیا کہ اگر کوئی ہندو مسیحیت کو قبول کر لے تو وہ وراثت سے محروم نہیں کیا جائے گا۔[63] اس سے اگر یہ نتیجہ اخذ کیا جائے کہ انگریز سرکار مشنریوں کے اشارۂ ابرو پر چل رہی تھی تو قطعاً غلط نہ ہوگا۔

برِّصغیر میں مسیحیت کی تبلیغی حکمتِ عملی کا تجزیہ

برصغیر میں مسیحیت کے پھیلاؤ اور اس کی تبلیغی حکمتِ عملی کو مرحلہ وار انداز میں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ مذہبی و سیاسی اعتبار سے نہایت اہم خطے یعنی برصغیر میں مسیحیت کی آمد کے بارے میں کوئی حتمی رائے موجود نہیں۔ البتہ یہاں یورپی اقوام کی آمد سے مسیحیت کو تعارف نصیب ہُوا۔ سب سے پہلے پُرتگال کے لوگ آئے، انہوں نے جبری تبلیغِ مسیحیت کے لئے اقدامات کئے۔ لوگوں کی مذہبی آزادی چھین لی اور ہر ممکن کوشش کی کہ مقامی لوگ مسیحیت کو قبول کر لیں۔ اس ضمن میں قید و بند اور موت کی سزا تک کو خوف کا ماحول پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا۔ اہلِ پرتگال کا تعلق کیتھولک فرقے سے تھا۔ ان لوگوں نے مغل حکمرانوں سے بھی راہ و رسم بڑھائی۔ بعد ازاں ہالینڈ، فرانس اور برطانیہ کے لوگ آ گئے۔ برطانوی لوگوں کا فرقہ پروٹسٹنٹ تھا، انہوں نے جلد سیاسی حالات کو بھانپ لیا اور طاقت و سازش کے ذریعے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ انگریز حکومت نے مسیحیت کی راہ ہموار کرنے کے لئے کثیر الجہتی اقدامات کئے۔ مسیحی مشنریوں کو خوش آمدید کہا، ان کے ادارے بنائے، ان کو سہولیات دیں، تعلیم وصحت اور صفائی ستھرائی کے اداروں کے ساتھ ساتھ مختلف تنظیمیں بنائیں، مفت تعلیم کے انتظامات کئے، کتب کی مفت تقسیم کو یقینی بنایا، غیر مسیحی مذاہب کے خلاف ماحول کو گرم کرنے کے لئے پادریوں کو تربیت دی، مناظرانہ تربیت کے لئے ادارے بنائے گئے، اخبارات ورسائل کے ذریعے مسیحیت کے عقائد وافکار کی ترویج کی کوششیں کی گئیں، نیز ان کے ذریعے غیر مسیحی مذاہب خصوصاً اسلام کے خلاف بھرپور مہم چلائی گئی۔ اسلامی عقائد و عبادات اور مسلم مشاہیر کی توہین کی گئی، بعض معاملات میں جبری رویہ اختیار کیا گیا، زبردستی یتیم بچوں کی کفالت کے انتظامات مشنریوں کے سپرد کر دیئے گئے، برصغیر کی تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی، مقامی مذاہب کے حاملین کو لڑانے اور ان کے درمیان نفرت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ سرکاری افسران اور حکام کے ذریعے ماتحت عملہ کو مسیحیت کی جانب راغب کرنے کی کوشش کی گئی، غرباء میں تبلیغ کے لئے باقاعدہ الگ سے حکمتِ عملی بنائی گئی۔ انہیں لالچ دے کر مسیحی بنانے کی منصوبہ بندی کی گئی، مقامی آبادی کے مذہبی شعار کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی اور ان کی توہین کی گئی، دستور سازی کے ذریعے دیگر مذاہب کو نظر انداز کیا گیا اور قبولِ مسیحیت کی راہ ہموار کی گئی، مسیحی گاؤں آباد کر کے تمام سہولیات امتیازی انداز میں فراہم کی گئیں، سالویشن آرمی کے نام پر ایک تنظیم بنائی جو سماجی خدمت کے نام پر مسیحی افکار کا پرچار کرتی تھی، مشنری سرگرمیوں میں خواتین کو بھرپور انداز میں شریک کیا گیا، الغرض تعلیم، صحت، دیہی ترقی، خواتین کی بہبود اور مختلف اہداف کے نام پر مسیحیت کی تشہیر اور ترغیب کے لئے اقدامات کئے گئے۔ اس ہمہ جہت حکمتِ عملی کے باوجود مسیحی مشنری اور حکومت کے ذمہ داران اپنے مذہبی و سیاسی اہداف حاصل نہ کر سکے۔ مقامی مذاہب کے حاملین خصوصاً مسلمانوں نے اپنے مذہب کا بھرپور دفاع کیا اور استقامت کی لازوال داستان رقم کر دی۔

خلاصہ بحث

مضمون ہذا میں پیش کردہ علمی و تاریخی مواد کے تجزیہ سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ مسیحیت برصغیر کے لوگوں کا قدیم مذہب ہے مگر حتمی طور پر یہ تعین کرنا مشکل ہے کہ یہ مذہب کب برصغیر میں داخل ہوا۔ بعض تاریخی ذرائع سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ یہاں حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کی آمد ہوئی مگر وثوق سے اس بات کو کرنا نہایت مشکل ہے۔ بعض مسیحی مؤرخین نے حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں برتلمائی اور توما کی ہندوستان آمد کا تذکرہ کیا ہے۔ ان روایات کی تصدیق تمام مسیحی مؤرخین نہیں کرتے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ برصغیر میں مسیحیت کے بھرپور تعارف کا سہرا یورپی اقوام کی آمد کے سر ہے۔ پرتگال، ہالینڈ، فرانس اور برطانیہ کے تاجروں نے ہندوستان کا رُخ کیا۔ ان یورپی اقوام کے درمیان طویل محاذ آرائی ہوئی جس میں انگریزوں کو کامیابی حاصل ہوئی۔ یورپی اقوام خصوصاً برطانوی لوگوں نے برصغیر میں فروغِ مسیحیت کے لئے متحرک

کردارادا کیا۔۱۸۵۷ء میں مقامی مغل حکومت کا خاتمہ کرکے انگریز پورے برصغیر پر قابض ہوگئے۔ برطانوی سامراج نے فروغِ مسیحیت کے لئے ہمہ جہتی اقدامات کئے، مشنری ادارے قائم کئے گئے، مفت تعلیمِ مسیحیت کا انتظام کیا گیا، کتب کی تقسیم مفت کی جاتی، پادریوں کو تبلیغی سرگرمیوں میں پوری آزادی دی گئی، انہیں دیگر مذاہب کے حاملین سے مناظرہ کرنے کی تربیت دی جاتی، اخبارات ورسائل کے ذریعے مسیحی پیغام گھر گھر پہنچایا گیا، یتیم اور لاوارث بچوں کو جبری طور پر مسیحی بنانے کے لئے یتیم خانوں کا نظام حکومت نے خود سنبھال لیا، برصغیر کی مسلم تاریخ کو مسخ کرنے کے لئے نصابِ تعلیم کو تبدیل کردیا گیا، سرکاری افسران اپنے ماتحتوں میں مسیحیت کو عام کرنے کے لئے مختلف حربے استعمال کرتے، مقامی آبادی کے مذہبی شعار کی توہین کی گئی، فروغِ مسیحیت میں حائل آئینی و قانونی رکاوٹوں کو بڑی سُرعت سے ختم کردیا گیا، مسیحیوں کے لئے سہولیات پر مشتمل الگ گاؤں بسائے گئے، سالویشن آرمی کے نام سے سماجی خدمت بجالا کر قبولِ مسیحیت کی راہ ہموار کی گئی اور مشنری سرگرمیوں میں خواتین کو بھرپور کردارادا کرنے کا موقع فراہم کیا گیا۔الغرض برطانوی حکومت نے فروغِ مسیحیت کے لئے ہر ممکن طریقہ کار اختیار کیا۔

حوالہ جات وحواشی

[1] ولیم بارکلے۔یسوع کے حواری۔مترجم:فادر رفیق مائیکل ، کراچی : کٹیکٹیکل سنٹر ، ۱۰۴۔موہن ٹیرس ، بار اسٹریٹ ،صدر ، ۱۹۸۴ء، ص:۶۳

[2] ملاحظہ ہوں: پیام شاہ جہاں پوری۔ مسیح کی ہندی انجیل۔لاہور: ادارہ تاریخ و تحقیق ، ۱۹۹۴ء، ص:۲۵؛ قادیانی، مرزا غلام احمد۔ مسیح ہندوستان میں۔ قادیان: انوارِ احمدیہ مشن پریس،،۱۹۰۸ء، ص:۵۷؛

Holger kersten,Jesus Lived in India, Element Book, LTD,Shaftsbury,England, 1983,P.150

[3] Michel Desmaque,Jheqoouba Prophecy, Tohuma Shorten , Japan,P:38.;WWW.Jheqoouba.com/tomb.html.Dated:25-08-2018,Time:11.15AM

[4] A.Mathias Mundadan,History of Charistianity in India,Vol:1,P.243-252

[5] Samuel Mander ,The Treasure of History, London,1858,P.777

[6] عبدالحق، مولوی۔ خطباتِ عبدالحق۔ کراچی: انجمن ترقی اُردو، ۱۹۶۴ء، ص:۳۲۰-۳۲۲

[7] A.Mathias Mundadan,History of Charistianity in India ,Vol:1,P.348-475

[8] پادری، برکت اللہ۔ مغلیہ سلطنت اور مسیحیت۔لاہور: پنجاب ریلیجئیس بک سوسائٹی، ۱۹۷۰ء، ص:۳۵

[9] م۔ن، ص:۴۲

[10] Smith George,The Conversion to India ,London,1893,P.44

[11] ملاحظہ ہوں: پادری، برکت اللہ۔ مغلیہ سلطنت اور مسیحیت۔ ص:۴۵-۶۳

;Stephen , Neill, Builders of The Indians, Church,Edinburgh House Pess,London, 1934,P.23

[12] Sabshena,R.N,Into The Main-Stream , Aplinew Publications,2003,P.24;Hunter, William, The Imperial Gazetter of India,Trubner and Co.1886,P.10-40

امداد صابری۔ فرنگیوں کا جال۔ دہلی:۱۹۷۹ء، ص:۲۳; پادری، برکت اللہ۔ سلطنت مغلیہ اور مسیحیت۔ ص:۶۶

[13] Rule,William Harries, History of Inquisition, Wesleyam Confrence London, 1868,P

[14] Powel Avril A, Missions and Missionaries in Pre- Mutiny India, Curzon Press Ltd, UK,1993,P.10

[15] P.Thomas, Christians and Christianity in India And Pakistan,P.95-100

[16] پادری، برکت اللہ۔ مغلیہ سلطنت اور مسیحیت۔ ص:۱۸۱؛میری ریجینا یوحنا، سسٹر۔ النخیلِ فرانسس۔ ص:۳-۵

[17] A.Mathias Mundadna, History of Christianity in India, Vol:1,P.21-64

[18] ملاحظہ ہوں: پادری، برکت اللہ۔ مغلیہ سلطنت اور مسیحیت۔ ص:۷۹-۶۳-۴۵؛امداد صابری۔ فرنگیوں کا جال۔ ص:۳۲؛ Hunter, William, The Imprial Gazetter of India, P.10-40;Smith ,George ,The Conversion to India,P.44

[19] پادری، برکت اللہ۔ سلطنت مغلیہ اور مسیحیت۔ ص:۲۱۷-۲۸۶؛امداد صابری۔ آثارِ رحمت۔ دہلی: یونین پرنٹنگ پریس س۔ن، ص:۳۴-۳۸

[20] Latourette-k.s, Christianity in a Revolutionary Age,London,1961,V:3,P406-407

[21] Clark, Robert, The Missions, Church Missionary Society, London ,1904,P.234-236

[22] سرسید احمد خان۔ رسالہ بغاوتِ ہند۔ سندھ: کراچی، اُردو اکیڈمی، ص:۱۹۰-۲۰۲

[23] گستاؤلی بان، ڈاکٹر۔ تمدنِ ہند۔ مترجم: سید علی بلگرامی، کراچی، ۱۹۶۲ء، ص:۲

[24] بابر، ظہیر الدین۔ تُزکِ بابری۔ مترجم: مرزا نصیر الدین حیدر، کراچی، ۱۹۶۲ء، ص:۳۴۳

[25] انور ہاشمی۔ تاریخِ پاکستان و ہند۔ کراچی: ۱۹۷۴ء، ص:۳۶

[26] محمد اکرام، شیخ۔ آبِ کوثر۔ لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۹۶ء، ص:۳۱-۳۳

[27] ابنِ ہشام۔ السیرۃ النبویۃ۔ ج:۲، ص:۵۹۳

[28] الحاکم۔ المستدرک علی الصحیحین۔ رقم الحدیث: ۱۹۰۷، ج:۴، ص:۱۵۰

[29] محمد حمید اللہ، ڈاکٹر۔ محمد رسول اللہ ﷺ۔ ترجمہ و توضیح: پروفیسر ڈاکٹر خالد پرویز، لاہور: بیکن بکس، ۲۰۱۳ء، ص:۱۹۹

[30] حاکم، امام، المستدرک علی الصحیحین، رقم الحدیث: ۳۹۵۴

[31] Annie Besant, India:A Nation,London ,Edition first,P.18

[32] ملاحظہ ہوں: نور اللہ، سید۔ تاریخِ تعلیمِ ہند۔ مترجم: مسعود الحق، کراچی: ساؤتھ ایشین پبلشرز، س۔ن، ص:۶۴؛ امداد صابری۔ آثارِ رحمت۔ دہلی: یونین پرنٹنگ پریس، س۔ن، ص:۳۴-۳۸؛ صدیقی، نادر رضا، ڈاکٹر۔ پاکستان میں مسیحیت۔ لاہور: حمایتِ اسلام پریس، ۱۹۹۲ء، ص:۳۹

[33] Stephen, Neil , The Concise Dictionary of the Christian world Mission, Luter werth Press, London ,1970,P.381

[34] محمد قطب۔ کیا ہم مسلمان ہیں۔ مترجم: شبیر احمد، کویت: اسلامک پبلیشرز، ۱۹۸۶ء، ص:۱۶۰

[35] Smith George ,The Conversion to India,P.44;Hunter, William, The Imperial Gazetter of India ,P10-40;Sabshena,R.N,Into The Mainstream , P.24

[36] Government of Madhia Pardesh, Report Enuquiry Committee on Christian Missionary Activities, Nagpure,1856.

[37] امداد صابری۔ آثارِ رحمت۔ انڈیا: نیو دہلی، فرید بک ڈپو، ۲۰۰۶ء، ص: ۳۹

[38] پادری، برکت اللہ۔ آرچ ڈیکن احسان اللہ۔ لاہور: کرسچن اکیڈمی، ۱۹۵۹ء، ص: ۲۹۰-۲۹۵

[39] امداد صابری۔ فرنگیوں کا جال۔ انڈیا: نیو دہلی، فرید بک ڈپو، ۲۰۰۸ء، ص: ۱۶۰

[40] امداد صابری۔ فرنگیوں کا جال۔ ص: ۱۳۷-۱۳۶؛ دتاسی، گارساں۔ خطبات۔ کراچی: انجمن ترقی اُردو، ۱۹۷۵ء، ص: ۲۵۴

[41] امداد صابری۔ فرنگیوں کا جال۔ ص: ۱۸۹

[42] اثری، محمد مقتدی عمری۔ تذکرۃ المناظرین۔ لاہور: دارالنوادر، ۲۰۰۷ء، حصہ اول، ص: ۱۲۰-۱؛ مستقیم سلفی۔ مقالہ: ردِّ عیسائیت میں علمائے ہند کی خدمات۔ ماہنامہ: محدث، بنارس، ج: ۲۵، ش: ۷، ص: ۶۲-۱۹

[43] اخبارات کے حوالہ جات: امداد صابری۔ فرنگیوں کا جال۔ ص: ۱۴۸-۱۴۵؛ دتاسی، گارساں۔ مقالات۔ ج: ۱، ص: ۳۵۱-۴۴؛ اختر راہی۔ مقالہ: منشورِ محمدی، ماہنامہ: عالمِ اسلام اور عیسائیت۔ جولائی: ۱۹۹۳ء، ص: ۱۷-۱۶

[44] دتاسی، گارساں۔ مقالات۔ ج: ۱، ص: ۳۸۶

[45] برکت اللہ، پادری۔ مغلیہ سلطنت اور مسیحیت۔ ص: ۷۹-۶۳-۴۵؛ Smith ,George, The Conversion to India , P.44

[46] امداد صابری۔ فرنگیوں کا جال، ص: ۱۵۸-۱۵۹

[47] ایس۔کے۔داس۔ تاریخ کلیسیائے پاکستان۔ لاہور: جے۔ ایس پرنٹرز، ۱۹۹۵ء، ص: ۱۶۶

[48] اختر راہی۔ مجلہ: عالمِ اسلام اور عیسائیت۔ اگست: ۱۹۹۲ء، ص: ۸

[49] سسٹر میری ریجینا یوحنا۔ النخیل فرانسس۔ ص: ۲۴

[50] Major B.D.Basu, Rise of The Christian Power in India , Chatter Jee ,Calcata , 1931,P.2

[51] سید سلیم۔ تاریخ نظریۂ پاکستان۔ ص: ۷۰؛ مدنی، سید حسین احمد۔ نقشِ حیات۔ ص: ۲۵۵

[52] John Clork ,An Abridged History of India , John Clork warsiman , London ,1873,P.430

[53] محمد میاں، سید۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی۔ کراچی: مکتبہ رشیدیہ، ۱۹۹۲ء، حصہ سوم، ص: ۳۱۶

[54] طفیل احمد منگلوری۔ مسلمانوں کا روشن مستقبل ۔ لاہور: حماد الکتبی ، س۔ن، ص: ۴۵؛ محمد سلیم ،سید ۔ تاریخ نظریۂ پاکستان۔ ص: ۵۴؛ سید حسین احمد مدنی۔ نقشِ حیات۔ ص: ۱۶۳-۱۴۰-۱۳۹

[55] مجید ایبل، ڈاکٹر و مس فریڈا کیری۔ پاکستان میں مسیحیت کی تاریخِ پروٹسٹنٹ۔ ص: ۱۰۴-115

[56] برکت اللہ، پادری۔ آرچ ڈیکن احسان اللہ۔ ص: ۲۹۵-۲۹۰

[57] جوزف ارشد، فادر۔ مریم آباد، یادوں کے سو سال۔ سادھوکے؛ مریدکے، مکتبہ عناویم، ۱۹۹۶ء، ص: ۳۳

[58] لارنس سلڈانہ، فادر۔ ہماری داستان۔ ص: ۳۵

[59] تاریخِ ادبیاتِ مسلمانانِ پاک وہند۔ ج: ۴، ص: ۲۳۲

[60] امداد صابری۔ آثارِ رحمت۔ ص: ۳۹

[61] امداد صابری۔ فرنگیوں کا جال۔ ص: ۱۵۶

[62] م۔ن

[63] امداد صابری۔ آثارِ رحمت۔ ص: ۹